فصل سوم

قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے پر ایمان کی دعوت

دعوتِ اسلامی کا تیسرا بنیادی نکتہ یہ تھا کہ لوگ قرآنِ مجید کو اللہ کی کتاب تسلیم کریں، اُس کی ہر بات کو حق اور من جانب اللہ مانیں، اُس میں عقائد، افکار، اخلاق، عبادات اور معاملات کے متعلق جو تعلیم بھی دی گئی ہے اُسے اپنی زندگی کے لیے اساسی قانون قرار دیں، اور ہر اُس چیز کو رَد کر دیں جو اس کی ہدایت کے خلاف ہو۔ اس عقیدے میں یہ ماننا بھی لازماً شامل تھا کہ قرآن لفظ بلفظ اللہ کا کلام ہے جو بذریعۂ وحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے، ایسا نہیں ہے کہ صرف معانی آپ کے دل میں ڈالے گئے ہوں اور آپ نے اپنے الفاظ میں اُن کو ادا کر دیا ہو۔ نیز اس میں یہ بات بھی شامل تھی کہ یہ کتاب جن الفاظ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے ٹھیک اُنھی الفاظ میں وہ جوں کی توں محفوظ کر دی گئی ہے، اس میں نہ کوئی ردّوبدل ہوا ہے، نہ کوئی کمی یا بیشی ہوئی ہے اور نہ باطل اس میں کسی طرح راہ پا سکتا ہے۔ علاوہ بریں چونکہ یہ براہِ راست اللہ رب العالمین کا کلام ہے اس لیے یہ خود رسول پر بھی حاکم ہے۔ اگرچہ یہ آیا رسول ہی کے ذریعے سے ہے، مگر رسول اُس کا تابع ہے، اُس کے اتباع پر مامور ہے، اس کے اندر اپنی طرف سے کچھ گھٹانے یا بڑھانے کا مجاز نہیں ہے بلکہ اس کا کام یہ ہے کہ سب سے بڑھ کر اور سب سے پہلے وہ خود اس کی پیروی کرے اور پھر اُسی کی منشا کے مطابق دین، یعنی پورے نظامِ حیات کو قائم کر دے۔

یہ عقیدہ اُس انقلاب کو اور زیادہ مستحکم کر رہا تھا جسے برپا کرنا اسلام کے پیشِ نظر تھا۔ اس لیے کہ اِس نے خدا کی طرف سے ایک مستقل کتاب فراہم کر دی تھی جس میں خدا نے خود اپنے الفاظ میں صاف صاف بتا دیا کہ حق کیا ہے اور باطل کیا۔ اب لوگ ہر وقت ہر زمانے میں اس کی طرف رجوع کر کے معلوم کر سکتے ہیں کہ اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے انھیں کیا کرنا چاہیے اور کیا نہ کرنا چاہیے۔ ایک انسان کو رسول بنانے کے ساتھ ایک کتاب بھی اس

کے ساتھ نازل کر دینا اور لوگوں کو دونوں پر ایمان لانے اور دونوں کی اطاعت کرنے کا حکم دینا، لازمی طور پر یہ معنی رکھتا ہے کہ انسانی افراد اور معاشروں میں جہاں بھی اس ایمان اور اس اطاعت کو قبول کر لیا جائے وہاں سے من مانی کرنے کی آزادی رخصت ہو جائے، افراد اپنی انفرادی حیثیت میں اور معاشرہ اپنی اجتماعی حیثیت میں ایک رہنما اور ایک کتابِ آئین کے تابع فرمان ہو جائیں، رہنما کے دنیا سے اُٹھ جانے کے بعد بھی کتابِ آئین ہر وقت یہ بتانے کے لیے دنیا میں موجود رہے کہ خدا نے کس چیز کا حکم دیا ہے اور کس سے منع کیا ہے، اور رہنما کی چھوڑی ہوئی سنّت (جو خود قرآن کی رو سے کلامِ الٰہی کی مستند سرکاری تشریح و توضیح ہے) اس بات کی کوئی گنجائش باقی نہ رہنے دے کہ خواہشاتِ نفس کے بندے، یا دوسرے نظریاتِ زندگی کے معتقد، کتابِ آئین کو اُس کے اصل معنی و مدّعا سے ہٹا کر اس کی غلط تعبیریں کرنے لگیں۔

اس مختصر بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کی تبلیغ کے آغاز ہی میں توحید اور رسالتِ محمدیہ کے ساتھ قرآن پر ایمان لانے اور اس کو کلامِ الٰہی کی حیثیت سے تسلیم کرنے کی دعوت دینا بھی کیوں ضروری تھا اور اس کی کیا اہمیت تھی۔ اب ہم ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے کہ جس وقت اس قرآن کو پیش کیا گیا تھا اُس وقت اُس کی حیثیت کیا بیان کی گئی تھی، اور جو لوگ اس کو کتاب اللہ ماننے سے انکار کر رہے تھے اُن کے سامنے کس قدر مضبوط دلائل کے ساتھ اس کے کلامِ الٰہی ہونے کا ثبوت پیش کیا گیا تھا۔

قرآن خدا کا کلام ہے جو لفظ بلفظ حضورؐ پر وحی کیا گیا ہے یہ اوّلین بات تھی جسے پورے زور کے ساتھ قرآن میں اس قدر کثرت کے ساتھ بیان کیا گیا کہ اس مضمون کی ساری آیات یہاں نقل کرنا ممکن نہیں ہے۔ پورے قرآن میں کہیں کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہیں پایا جاتا جس سے یہ شبہہ کیا جا سکتا ہو کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا کلام ہے۔ ساری کتاب اِس حیثیت ہی سے پیش کی گئی ہے کہ یہ خدا کی نازل کردہ وحی ہے۔ مثال کے طور پر یہ آیات ذیل ملاحظہ ہوں:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ	اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب بھیجی ہے جو حق لے کر آئی ہے اور کتبِ الٰہیہ میں سے جو کچھ اس سے پہلے آیا ہوا موجود ہے اس کی تصدیق کرنے والی اور اس کی محافظ و نگہبان ہے۔ پس تم لوگوں کے درمیان اس چیز کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے نازل کی ہے اور جو حق تمہارے

مِنَ الْحَقِّ — پاس آیا ہے اس سے منہ موڑ کر لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔

(المائدہ-۴۸)

اس آیت میں صراحۃً نہ صرف یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی ہے جو ٹھیک ٹھیک حق لے کر آئی ہے بلکہ دو باتیں اور بھی بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ یہ ہر اُس چیز کی تصدیق کرتی ہے جو پہلے آئی ہوئی کتابوں کے اندر اپنی اصلی اور صحیح صورت میں موجود ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ اُن کتابوں کی محافظ و نگہبان ہے۔ یعنی اِس نے اُن تمام برحق تعلیمات کو اپنے اندر لے کر محفوظ کر دیا ہے جو اُن میں پائی جاتی تھیں، اور جو خلافِ حق باتیں ان کے اندر شامل کر دی گئی ہیں انہیں اِس کتاب کی مدد سے چھانٹ کر الگ کیا جا سکتا ہے۔

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا۔ (بنی اسرائیل-۱۰۵) — اور اس (قرآن) کو ہم نے حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور حق ہی کے ساتھ یہ نازل ہوا ہے۔ اور (اے محمدؐ) ہم نے تمہیں اِس کے سوا کسی کام کے لیے رسول بنا کر نہیں بھیجا ہے کہ (جو مان لے اُسے) بشارت دے دو اور (جو نہ مانے) اُسے ڈرا دو۔

وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتٰبِ رَبِّكَ (الکہف-۲۷) — اور (اے نبیؐ) تمہارے رب کی جو کتاب تم پر وحی کی گئی ہے اُسے پڑھ کر سناؤ۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ (الزمر-۴۱) — (اے محمدؐ) ہم نے تم پر یہ کتاب لوگوں کے لیے حق کے ساتھ نازل کی ہے۔ اب جو ہدایت قبول کرے گا اپنے ہی بھلے کے لیے کرے گا اور جو گمراہ ہوگا اس کا وبال بھی اسی پر ہوگا۔ تم اُن کے ذمہ دار نہیں ہو۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا (الشوریٰ-۷) — اور اسی طرح (اے محمدؐ) ہم نے تمہاری طرف عربی زبان کا قرآن وحی کیا تاکہ تم بستیوں کے مرکز (مکہ) اور اس کے گرد و پیش رہنے والوں کو خبردار کر دو۔

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ (الاحقاف-۱) — اِس کتاب کا نزول اللہ زبردست اور دانا کی طرف سے ہے۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَ لِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (ص - ۲۹)

یہ ایک کتاب ہے برکت والی جسے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے تم پر نازل کیا ہے تا کہ لوگ اس پر غور کریں اور عقل و فکر رکھنے والے اس سے سبق لیں۔

وَ اِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ (النمل - ۶)

اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) یقیناً تم یہ قرآن ایک حکیم و علیم ہستی کی طرف سے پا رہے ہو (یعنی اس ہستی کی طرف جو علم اور حکمت ہیں کامل ہے)۔

وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ۔ (الشعراء - ۱۹۲ تا ۱۹۵)

اور بلا شبہ یہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے۔ اسے لے کر ایک امانت دار روح[1] تمہارے قلب پر اتری ہے، تا کہ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تم منذرین (خلق خدا کو خبردار کرنے والے انبیاء) میں سے ہو جاؤ، صاف صاف عربی زبان میں۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ۔ (القیامہ - ۱۶ تا ۱۹)

اے نبیؐ، اس وحی کو جلدی جلدی یاد کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دو۔ اس کو یاد کروا دینا اور پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے۔ پس جب ہم اسے پڑھ رہے ہوں تو اس کی قرأت کو غور سے سنتے رہو۔ پھر اس کا مطلب سمجھا دینا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے۔

یہ آیات نہ صرف اس بات کی صراحت کرتی ہیں کہ یہ پوری کتاب (قرآن) اللہ تعالیٰ کی طرف سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعہ وحی نازل ہوئی ہے، بلکہ آخری دو آیتیں اس باب میں قطعی صریح ہیں کہ اس کے محض معانی حضورؐ پر القا نہیں ہوتے تھے جنہیں آپ اپنے الفاظ میں ادا کرتے ہوں، بلکہ اس کے الفاظ بھی اللہ ہی کی طرف سے نازل ہوتے تھے۔

---

[1] امانت دار روح سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں جو قرآن لے کر آتے تھے۔ یہاں ان کا نام لینے کے بجائے امانت دار روح کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جن سے یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ خالص روح ہیں بلا شائبۂ مادیت، اور ایسے امین ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے سے وحی بھیجتا ہے بالکل اسی طرح وہ بلا کم و کاست نبی تک پہنچا دیتے ہیں۔

روح الامین کا رب العالمین کی طرف سے عربی زبان میں وحی لے کر نازل ہونا، اُسے آپ کے سامنے پڑھنا، آپ کا اُسے جلدی جلدی یاد کرنے کی کوشش کرنا، اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ آپ یاد کرنے کی کوشش نہ کریں بلکہ جب یہ پڑھا جا رہا ہو اُس وقت اسے سنتے رہیں، پھر اسے یاد کرا دینا، اسے پڑھوا دینا اور اس کا مطلب سمجھا دینا، سب کچھ ہمارے ذمہ ہے۔ یہ ساری باتیں اسی صورت میں با معنی ہوتی ہیں جبکہ وحی کے الفاظ بھی اللہ ہی کی طرف سے نازل ہوتے ہوں ورنہ قلبِ رسول پر محض معانی اور خیالات کا القاء ہونے کی صورت میں اس کے پڑھنے اور سننے اور یاد کرنے اور بزبانِ عربی اس کے نازل ہونے کے کوئی معنی نہیں رہتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی قرآن کے اتباع پر مامور تھے

قرآن میں اِس بات کی بھی صاف صاف صراحت کر دی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے تابع امر تھے، اُس کی پیروی پر مامور تھے اور آپ کو اس میں کچھ گھٹانے یا بڑھانے یا کسی قسم کا ردو بدل کر دینے کا اختیار نہ تھا۔

وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا (الاحزاب - ۲)	اور (اے نبیؐ) پیروی کرو اُس چیز کی جو تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے وحی کی جا رہی ہے۔ جو کچھ تم لوگ کرتے ہو اللہ اُس سے یقیناً باخبر ہے۔
اِتَّبِعْ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ۔ (الانعام - ۱۰۶)	(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے وحی کیا گیا ہے اسی کی پیروی کرو۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے اور مشرکین سے بے پروا ہو جاؤ۔
إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ (الاحقاف - ۹)	(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کہو) میں تو صرف اُس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پاس بھیجی جاتی ہے، اور میں صاف صاف خبردار کر دینے والے کے سوا کچھ نہیں ہوں۔
وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِم بِآيَةٍ قَالُوا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ	اور (اے نبیؐ) جب تم ان لوگوں کے سامنے کوئی نشانی (معجزہ) پیش نہیں کرتے تو یہ کہتے ہیں کہ تم نے اپنے لیے کوئی نشانی کیوں نہ انتخاب کر لی؟ ان سے کہو میں تو

مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۔

(الاعراف - ۲۰۳)

صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے میری طرف بھیجی جاتی ہے ۔ یہ (قرآن کی) آیات ، بصیرت کی روشنیاں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت و رحمت ہیں ان لوگوں کے لیے جو اس پر ایمان لائیں ۔

"یعنی میرا منصب یہ نہیں ہے کہ جس چیز کی مانگ ہو ، یا جس چیز کی میں خود ضرورت محسوس کروں اُسے خود ایجاد یا تصنیف کر کے پیش کر دوں ۔ میں تو ایک رسول ہوں اور میرا منصب صرف یہ ہے کہ جس نے مجھے بھیجا ہے اس کی ہدایت پر عمل کروں ۔ معجزے کے بجائے میرے بھیجنے والے نے جو چیز میرے پاس بھیجی ہے وہ یہ قرآن ہے ۔ اِس کے اندر بصیرت افروز روشنیاں موجود ہیں اور اِس کی نمایاں ترین خوبی یہ ہے کہ جو لوگ اسے مان لیتے ہیں ان کو زندگی کا سیدھا راستہ مل جاتا ہے اور ان کے اخلاقِ حسنہ میں رحمتِ الٰہی کے آثار صاف نمودار ہونے لگتے ہیں ۔"

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ۭ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَاۗئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ

(یونس - ۱۵)

اور جب اُن کو ہماری صاف صاف آیات سنائی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو آخرت میں ، ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے ، کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی اور قرآن لاؤ ، یا اس میں کچھ ترمیم کرو ۔ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ، ان سے کہو) مجھے یہ حق نہیں ہے کہ اپنی طرف سے اس میں کوئی تبدیلی کروں ۔ میں تو صرف اُس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف بھیجی جاتی ہے ۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے ۔"

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۔ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۔ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۔ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ۔

(الحاقہ - ۴۴ تا ۴۷)

اور اگر یہ (نبی) خود گھڑ کر کوئی بات ہماری طرف منسوب کر دیتا تو ہم دائیں ہاتھ سے پکڑ کر اس کی رگِ گردن کاٹ دیتے ، پھر تم میں سے کوئی اس میں حائل ہونے والا نہ ہوتا ۔

قرآن ہر لحاظ سے محفوظ ہے اور اس کی ہر بات اٹل ہے یہ بات بھی قرآن میں صاف صاف کہی گئی کہ قرآن کو لفظ بلفظ محفوظ رکھنے کا اللہ نے خود ذمہ لیا ہے، اس کی ہر بات اٹل ہے، اس میں باطل کسی طرح سے راہ نہیں پاسکتا، اور اللہ تعالیٰ آفاق اور انفس میں مسلسل ایسی نشانیاں دکھاتا چلا جائے گا جن سے اس کا حق ہونا ثابت ہوجائے گا۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا	ہم ہی نے اس ذکر (قرآن) کو نازل کیا ہے اور ہم
لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر - ۹)	ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

"یعنی یہ براہ راست ہماری حفاظت میں ہے۔ نہ کسی کے مٹائے مٹ سکے گا، نہ کسی کے دبائے دب سکے گا، نہ کسی کے طعنوں اور اعتراضوں سے اس کی قدر گھٹ سکے گی، نہ کسی کے روکے اس کی دعوت رُک سکے گی نہ اس میں تحریف اور ردّ و بدل کا کسی کو موقع مل سکے گا۔"

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ	بلکہ یہ قرآن بلند پایہ ہے اُس لوح میں (نقش ہے)
مَّحْفُوْظٍ (البروج - ۲۱-۲۲)	جو محفوظ ہے۔

"یعنی اس قرآن کا لکھا اَمٹ ہے، اٹل ہے، خدا کی اُس لوحِ محفوظ میں ثبت ہے جس کے اندر کوئی ردّ و بدل نہیں ہوسکتا۔ جو بات اس میں لکھ دی گئی ہے وہ پوری ہو کر رہنے والی ہے، تمام دنیا مل کر بھی اسے باطل کرنا چاہے تو نہیں کرسکتی۔"

وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ لَّا يَاْتِيْهِ	اور حقیقت یہ ہے کہ یہ (قرآن) ایک زبردست
الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا	کتاب ہے، باطل نہ اس کے آگے سے آسکتا ہے نہ پیچھے سے۔
مِنْ خَلْفِهٖ ۖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ	یہ اُس ہستی کی نازل کردہ چیز ہے جو حکمت والی ہے اور
حَمِيْدٍ (حٰم السجدہ - ۴۲)	اپنی ذات میں آپ محمود ہے۔

"سامنے سے باطل کے نہ آسکنے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن پر براہ راست حملہ کرکے کوئی شخص اس کی کسی بات کو غلط اور کسی تعلیم کو باطل و فاسد ثابت کرنا چاہے تو اس میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ پیچھے سے نہ آسکنے کا مطلب یہ ہے کہ بعد میں کبھی کوئی حقیقت و صداقت ایسی منکشف نہیں ہوسکتی جو قرآن کے پیش کردہ حقائق کے خلاف ہو، کوئی علم ایسا نہیں آسکتا جو فی الواقع "علم" ہو اور قرآن کے بیان کردہ علم کی تردید کرتا ہو، کوئی تجربہ اور مشاہدہ ایسا نہیں ہوسکتا جو یہ ثابت کردے کہ قرآن نے عقائد، اخلاق، قانون، تہذیب و تمدن، معیشت و معاشرت اور سیاستِ مُدن کے باب میں انسان کی جو

رہنمائی کی ہے وہ غلط ہے۔"

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَ فِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ (حٰمٓ السجدہ - ۵۳)	عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی اور ان کے اپنے نفس میں بھی دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ یہ (قرآن) واقعی برحق ہے۔

"اس کے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ عنقریب اس قرآن کی دعوت دنیا کے ایک بڑے حصے پر چھا جائے گی اور یہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ اس کی بدولت انسانی زندگی میں کیسا عظیم مذہبی و اخلاقی، ذہنی و فکری، تہذیبی و سیاسی اور تمدنی و معاشی انقلاب برپا ہوتا ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ جوں جوں آفاقِ ارض و سما اور خود انسان کے اپنے وجود کے بارے میں انسانی علم کا دائرہ وسیع ہوتا جائے گا قرآن کا برحق ہونا اور زیادہ کھلتا چلا جائے گا"۔

قرآن کا انکار کفر ہے ایمان بالقرآن اسلامی دعوت کا اتنا ہی اہم جز ہے جتنا توحید اور رسالت پر ایمان۔ اس لیے کسی لگی لپٹی کے بغیر لوگوں کو دعوت دی گئی کہ اس کے کلام الٰہی ہونے پر ایمان لاؤ، اور جو اس پر ایمان نہ لائے وہ کافر ہے۔ سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات میں جن لوگوں کو برسرِ ہدایت قرار دیا گیا ہے ان کی صفات میں سے ایک صفت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ:

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ۔ (البقرہ - ۴)	اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اس کتاب پر جو (اے نبیؐ) تم پر نازل ہوئی ہے اور ان کتابوں پر جو تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں۔
وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا۔ (بنی اسرائیل - ۸۲)	ہم اس قرآن کے سلسلۂ تنزیل میں وہ کچھ نازل کر رہے ہیں جو (اس پر) ایمان لانے والوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے اور (ایمان نہ لانے والے) ظالموں کے لیے خسارے کے سوا اور کسی چیز میں اضافہ نہیں کرتا۔
وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الْكَافِرُونَ (العنکبوت - ۴۷)	اور ہماری آیات کا انکار صرف کافر ہی کرتے ہیں۔

کفار کا ردعمل اس حیثیت سے جب قرآن کو پیش کیا گیا تو کفارِ قریش اور عام مشرکینِ عرب کے لیے اس کو ماننا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا رسول ماننے سے بھی زیادہ مشکل ہو گیا۔ کیونکہ حضورؐ کو رسول مان کر وہ آپ کی اطاعت و پیروی قبول کر بھی لیتے تو وہ یہ امید کر سکتے تھے کہ آپ کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد وہ یہ قلادہ اپنی گردن سے اُتار پھینکیں گے۔ لیکن یہاں تو ایک کتاب بھی اس حیثیت سے پیش کی جا رہی تھی کہ اس کا لفظ لفظ اللہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔ اس کتاب کو مسلمان حرفاً حرفاً یاد کر رہے تھے، کیونکہ نمازوں میں اس کی تلاوت لازم تھی۔ اور حضورؐ ہر وحی کے نزول کے بعد اُسے لکھواتے بھی جا رہے تھے۔ اس چیز سے پیچھا چھوٹنے کی وہ کوئی امید نہ کر سکتے تھے، اور وہ سمجھتے تھے کہ اسے اللہ کا کلام مان لینے کے بعد اُن کی زندگی مستقل طور پر ایک ضابطہ میں کس دی جائے گی، جس سے انحراف کے معنی خداوند عالم سے انحراف کے ہوں گے۔ اس لیے انہوں نے قرآن کے کلام اللہ ہونے سے انکار کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا پورا زور لگا دیا، اور ہر ممکن تدبیر اس مقصد کے لیے استعمال کر ڈالی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات ہرگز نہ چلنے پائے۔

تمام کتب الٰہیہ کا انکار

اس سلسلے میں ان کا سب سے پہلا حربہ یہ تھا کہ سرے سے تمام کُتُبِ الٰہیہ کا انکار کر دیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ (سبا - ۳۱)	اور جن لوگوں نے کفر کیا انہوں نے کہا کہ ہم ہرگز نہ اس قرآن کو مانیں گے، نہ اس سے پہلے آئی ہوئی کسی کتاب کو۔

لیکن اُن کی یہ بات خود اہلِ عرب میں کسی طرح نہ چل سکتی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ کے صحیفوں کو تو وہ خود مانتے تھے کہ وہ خدا کی طرف سے نازل شدہ تھے، چنانچہ قرآن میں دو جگہ ان کا حوالہ اس طرح دیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اہلِ عرب کے نزدیک مسلّم تھے اگرچہ ان کا کوئی نسخہ ان کے پاس محفوظ نہ تھا[۵]۔ اس کے علاوہ عرب میں یہود و نصاریٰ بھی کثرت سے موجود تھے جو کتب الٰہیہ کو مانتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں کفارِ عرب کو ان کی مدد کی ضرورت تھی۔ اس لیے انہوں نے اپنے اس مَوقِف پر زیادہ اصرار نہ کیا۔

حضورؐ پر قرآن کو خود تصنیف کر لینے کا الزام

پھر انہوں نے سب سے زیادہ زور اپنے اس الزام پر دیا کہ حضورؐ اس کو خود تصنیف کر کے اللہ کی طرف منسوب فرما رہے ہیں۔ اس کے بڑے مفصل جوابات قرآن میں دیے گئے اور پرزور دلائل کے ساتھ ثابت کیا گیا کہ یہ کلام الٰہی ہے:

۵۔ یہ حوالے النجم، آیت ۳۷۔ اور الاعلیٰ آیت ۱۹ میں موجود ہیں۔

تَنۡزِيۡلُ الۡكِتٰبِ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ مِنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ (السجدہ - ۲) اس کلام کی تنزیل بلاشبہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔

قرآن مجید کی متعدد سورتیں اسی طرح کے کسی نہ کسی تعارفی فقرہ سے شروع ہوتی ہیں جس سے مقصود آغاز کلام ہی میں یہ بتانا ہوتا ہے کہ یہ کلام کہاں سے آرہا ہے۔ یہ بظاہر اُسی طرح کا ایک تمہیدی فقرہ ہے جیسے ریڈیو پر اعلان کرنے والا پروگرام کے آغاز میں کہتا ہے کہ ہم فلاں اسٹیشن سے بول رہے ہیں۔ لیکن ریڈیو کے اس معمولی سے اعلان کے برعکس قرآن مجید کی کسی سورت کا آغاز جب اِس غیر معمولی اعلان سے ہوتا ہے کہ یہ پیغام فرمانروائے کائنات کی طرف سے آرہا ہے تو یہ محض مصدرِ کلام کا بیان ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کے ساتھ اُس میں ایک بہت بڑا دعویٰ، ایک عظیم چیلنج اور ایک سخت اِنذار بھی شامل ہوتا ہے۔ اس لیے کہ وہ چھوٹتے ہی اتنی بڑی خبر دیتا ہے کہ یہ انسانی کلام نہیں ہے، خداوندِ عالم کا کلام ہے۔ یہ اعلان فوراً ہی یہ بھاری سوال آدمی کے سامنے لاکھڑا کرتا ہے کہ اس دعوے کو تسلیم کروں یا نہ کروں؟ تسلیم کرتا ہوں تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کے آگے سرِ اطاعت جھکا دینا ہوگا، پھر میرے لیے اس کے مقابلہ میں کوئی آزادی باقی نہیں رہ سکتی۔ تسلیم نہیں کرتا تو لامحالہ یہ خطرہ مول لیتا ہوں کہ اگر واقعی یہ خداوندِ عالم کا کلام ہے تو اسے رد کرنے کا نتیجہ مجھ کو ابدی شقاوت و بدبختی کی صورت میں دیکھنا پڑے گا۔ اس بنا پر یہ تمہیدی فقرہ مجرد اپنی اِس غیر معمولی نوعیت ہی کی بنا پر آدمی کو مجبور کر دیتا ہے کہ چوکنا ہو کر انتہائی سنجیدگی کے ساتھ اس کلام کو سُنے اور یہ فیصلہ کرے کہ اِس کو کلامِ الٰہی ہونے کی حیثیت سے تسلیم کرتا ہے یا نہیں۔

یہاں صرف اتنی بات کہنے پر اکتفا نہیں کیا گیا ہے کہ یہ کتاب رب العالمین کی طرف سے نازل ہوئی ہے، بلکہ مزید برآں پورے زور کے ساتھ یہ بھی فرما دیا گیا ہے کہ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ مِنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ۔ "بیشک یہ خدا کی کتاب ہے، اِس کے مُنزَّل مِن اللہ ہونے میں قطعاً کسی شک کی گنجائش نہیں ہے"۔ اِس تاکیدی فقرے کو اگر نزولِ قرآن کے واقعاتی پس منظر اور خود قرآن کے اپنے سیاق میں دیکھا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ اس کے اندر دعوے کے ساتھ دلیل بھی مضمر ہے، اور یہ دلیل مکہ معظمہ کے اُن باشندوں سے پوشیدہ نہ تھی جن کے سامنے یہ دعویٰ کیا جارہا تھا۔ اس کتاب کے پیش کرنے والے کی پوری زندگی اُن کے سامنے تھی، کتاب پیش کرنے سے پہلے کی بھی اور اس کے بعد کی بھی۔ وہ جانتے تھے کہ جو شخص اس دعوے کے ساتھ یہ کتاب پیش کر رہا ہے وہ ہماری قوم کا سب سے زیادہ راستباز، سنجیدہ اور پاک سیرت انسان ہے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ دعوائے نبوت سے ایک دن پہلے تک بھی کسی نے اُس سے وہ باتیں نہ سُنی تھیں جو دعوائے نبوت کے بعد یکایک

آس نے بیان کرنی شروع کر دیں۔ وہ اس کتاب کی زبان اور طرزِ بیان میں اور خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اور طرزِ بیان میں نمایاں فرق پاتے تھے اور اس بات کو بداہتہً جانتے تھے کہ ایک ہی شخص کے دو طرزِ بیان اتنے صریح فرق کے ساتھ نہیں ہو سکتے۔ وہ اس کتاب کے انتہائی معجزانہ ادب کو بھی دیکھ رہے تھے اور اہل زبان کی حیثیت سے خود جانتے تھے کہ اُن کے سارے ادیب اور شاعر اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں۔ وہ اس سے بھی ناواقف نہ تھے کہ اُن کی قوم کے شاعروں، کاہنوں اور خطیبوں کے کلام میں اور اس کلام میں کتنا عظیم فرق ہے، اور جو پاکیزہ مضامین اس کلام میں بیان کیے جا رہے ہیں وہ کتنے بلند پایہ ہیں۔ انہیں اس کتاب میں، اور اس کے پیش کرنے والے کی دعوت میں کہیں دُور دُور بھی اُس خود غرضی کا ادنیٰ شائبہ تک نظر نہیں آتا تھا جس سے کسی جھوٹے مدّعی کا کام اور کلام کبھی خالی نہیں ہو سکتا۔ وہ خوردبین لگا کر بھی اس امر کی نشاندہی نہیں کر سکتے تھے کہ نبوت کا یہ دعویٰ کر کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات کے لیے یا اپنے خاندان کے لیے یا اپنی قوم اور قبیلے کے لیے کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اس کام میں ان کی اپنی کیا غرض پوشیدہ ہے۔ پھر وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ اس دعوت کی طرف اُن کی قوم کے کیسے لوگ کھنچ رہے ہیں اور اس سے وابستہ ہو کر اُن کی زندگیوں میں کتنا بڑا انقلاب واقع ہو رہا ہے۔ یہ ساری باتیں مل جل کر خود دلیلِ دعویٰ بنی ہوئی تھیں۔ اسی لیے اس پس منظر میں یہ کہنا بالکل کافی تھا کہ اس کتاب کا ربّ العالمین کی طرف سے نازل شدہ ہونا ہر شک و شبہہ سے بالاتر ہے۔ اس پر کسی دلیل کے اضافے کی کوئی حاجت نہ تھی۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أَتَاهُم مِّن نَّذِيرٍ مِّن قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ۝

(السجدہ - ۳)

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص نے اسے خود گھڑ لیا ہے؟ نہیں بلکہ یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے تاکہ تو متنبہ کرے ایک ایسی قوم کو جس کے پاس تجھ سے پہلے کوئی متنبہ کرنے والا نہیں آیا، شاید کہ وہ ہدایت پائیں۔

اُوپر کے تمہیدی فقرے کے بعد مشرکینِ مکّہ کے پہلے اعتراض کو لیا جا رہا ہے جو وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر کرتے تھے۔ یہ محض سوال و استفہام نہیں ہے بلکہ اس میں سخت تعجب کا انداز پایا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اُن ساری باتوں کے باوجود، جن کی بنا پر اس کتاب کا مُنزّل من اللہ ہونا ہر شک و شبہہ سے بالاتر ہے، کیا یہ لوگ ایسی صریح ہٹ دھرمی کی بات کہہ رہے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسے خود تصنیف کر کے

جھوٹ موٹ اللہ رب العالمین کی طرف منسوب کر دیا ہے؟ اتنا لغو اور بے سر و پا الزام رکھتے ہوئے کوئی شرم اِن کو نہیں آتی؟ انہیں کچھ محسوس نہیں ہوتا کہ جو لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اور اُن کے کام اور کلام کو جانتے ہیں اور اس کتاب کو بھی سمجھتے ہیں، وہ اس بیہودہ الزام کو سُن کر کیا رائے قائم کریں گے۔

جس طرح پہلی آیت میں لَا رَیْبَ فِیْهِ کہنا کافی سمجھا گیا تھا اور اس سے بڑھ کر کوئی استدلال قرآن کے کلام الٰہی ہونے کے حق میں پیش کرنے کی ضرورت نہ سمجھی گئی تھی، اُسی طرح اب اِس آیت میں بھی کفارِ مکہ کے الزام اِفترا پر صرف اتنی بات ہی کہنے پر اکتفا کیا جا رہا ہے کہ "یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے"۔ اس کی وجہ وہی ہے جو اُوپر آیت کی تشریح میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ کون، کس ماحول میں، کس شان کے ساتھ یہ کتاب پیش کر رہا تھا، یہ سب کچھ سامعین کے سامنے موجود تھا۔ اور یہ کتاب بھی اپنی زبان اور اپنے ادب اور مضامین کے ساتھ سب کے سامنے تھی، اور اس کے اثرات و نتائج بھی گویا اُس سوسائٹی میں سب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ اس صورتِ حال میں اس کتاب کا رب العالمین کی طرف سے آیا ہوا حق ہونا ایسا صریح امر واقعہ تھا جسے صرف حتمی طور پر بیان کر دینا ہی کفار کے الزام کی تردید کے لیے کافی تھا۔ اس پر کسی استدلال کی کوشش بات کو مضبوط کرنے کے بجائے اُلٹی اسے کمزور کرنے کی موجب ہوتی۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے دن کے وقت سورج چمک رہا ہو اور کوئی ڈھیٹ آدمی کہے کہ یہ اندھیری رات ہے۔ اس کے جواب میں صرف یہی کہنا کافی ہے کہ تم اسے رات کہتے ہو؟ یہ روز روشن تو سامنے موجود ہے۔ اس کے بعد دن کے موجود ہونے پر اگر آپ منطقی دلیلیں قائم کریں گے تو اپنے جواب کے زور میں کوئی اضافہ نہیں کریں گے بلکہ درحقیقت اس کے زور کو کچھ کم ہی کریں گے۔

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ (یونس-۳۷)	اور یہ قرآن وہ چیز نہیں ہے جو اللہ کی وحی و تعلیم کے بغیر تصنیف کر لی جائے۔ بلکہ یہ تو جو کچھ پہلے آ چکا تھا اس کی تصدیق اور الکتاب کی تفصیل ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ فرمانروائے کائنات کی طرف سے ہے۔

"جو کچھ پہلے آ چکا تھا اس کی تصدیق ہے"، یعنی ابتدا سے جو اصولی تعلیمات انبیاء علیہم السلام کی معرفت انسان کو بھیجی جاتی رہی ہیں، یہ قرآن اُن سے ہٹ کر کوئی نئی چیز نہیں پیش کر رہا ہے بلکہ اُنہی کی تصدیق و توثیق

کر رہا ہے۔ اگر یہ کسی نئے مذہب کے بانی کی ذہنی اُپج کا نتیجہ ہوتا تو اس میں ضرور یہ کوشش پائی جاتی کہ پرانی صداقتوں کے ساتھ کچھ اپنا نرالا رنگ بھی ملا کر اپنی شانِ امتیاز نمایاں کی جائے۔" الکتاب کی تفصیل" ہے، یعنی اُن اُصولی تعلیمات کو جو تمام کُتبِ آسمانی کا لُبِّ لُباب (الکتاب) ہیں، اِس میں پھیلا کر دلائل و شواہد کے ساتھ، تلقین و تفہیم کے ساتھ، تشریح و توضیح کے ساتھ، اور عملی حالات پر اِنطباق کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ○ (بنی اسرائیل-۸۸)	کہہ دو کہ اگر انسان اور جن سب کے سب مل کر بھی اس قرآن جیسی کوئی چیز لانے کی کوشش کریں تو نہ لا سکیں گے، چاہے وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔

یہ چیلنج اِس کے علاوہ قرآن مجید میں چار دوسرے مقامات پر بھی دیا گیا ہے۔ سورۂ بقرہ، آیات ۲۳، ۲۴۔ سورۂ یونس، آیت ۳۸۔ سورۂ ہود، آیت ۱۳۔ اور سورۂ طور، آیات ۳۳، ۳۴۔ ان سب مقامات پر یہ بات کفار کے اس الزام کے جواب میں ارشاد ہوئی ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خود یہ قرآن تصنیف کر لیا ہے اور خواہ مخواہ وہ اسے خدا کا کلام بنا کر پیش کر رہے ہیں۔ مزید برآں سورۂ یونس، آیت ۱۶ میں اسی الزام کی تردید کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا گیا کہ:

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○	یعنی "(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اِن سے کہو کہ اگر اللہ نے چاہا ہوتا کہ میں یہ قرآن تمہیں نہ سناؤں، تو میں ہرگز نہ سنا سکتا تھا بلکہ اللہ تمہیں اِس کی خبر تک نہ دیتا۔ آخر میں تمہارے درمیان ایک عمر گزار چکا ہوں، کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے؟

ان آیات میں قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر جو استدلال کیا گیا ہے وہ دراصل تین دلیلوں سے مرکّب ہے:

ایک یہ کہ قرآن اپنی زبان، اُسلوبِ بیان، طرزِ استدلال، مضامین، مباحث، تعلیمات اور اَخبارِ غیب کے لحاظ سے ایک معجزہ ہے جس کی نظیر لانا انسانی قدرت سے باہر ہے۔ تم کہتے ہو کہ اسے ایک انسان نے تصنیف کیا ہے،

مگر ہم کہتے ہیں کہ تمام دنیا کے انسان مل کر بھی اس شان کی کتاب تصنیف نہیں کر سکتے۔ بلکہ اگر وہ جن جنہیں مشرکین نے اپنا معبود بنا رکھا ہے، اور جن کی معبودیت پر یہ کتاب علانیہ ضرب لگا رہی ہے، منکرینِ قرآن کی مدد پر اکھٹے ہو جائیں تو وہ بھی ان کو اس قابل نہیں بنا سکتے کہ قرآن کے پائے کی کتاب تصنیف کر کے اس چیلنج کو رد کر سکیں۔

دوسرے یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہیں باہر سے یکایک تمہارے درمیان نمودار نہیں ہو گئے ہیں، بلکہ اس قرآن کے نزول سے پہلے بھی چالیس سال تمہارے درمیان رہ چکے ہیں۔ کیا دعوائے نبوت سے ایک دن پہلے بھی کبھی تم نے ان کی زبان سے اس طرز کا کلام، اور ان مسائل اور مضامین پر مشتمل کلام سنا تھا ؟ اگر نہیں سنا تھا اور یقیناً نہیں سنا تھا تو کیا یہ بات تمہاری سمجھ میں آتی ہے کہ کسی شخص کی زبان، خیالات، معلومات اور طرزِ فکر و بیان میں یکایک ایسا عظیم تغیر واقع ہو سکتا ہے ؟

تیسرے یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں قرآن سنا کر کہیں غائب نہیں ہو جاتے بلکہ تمہارے درمیان ہی رہتے سہتے ہیں۔ تم ان کی زبان سے قرآن بھی سنتے ہو اور دوسری گفتگوئیں اور تقریریں بھی سنا کرتے ہو۔ قرآن کے کلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے کلام میں زبان اور اسلوب بیان کا اتنا نمایاں فرق ہے کہ کسی ایک انسان کے دو اس قدر مختلف طرزِ کلام کبھی ہو نہیں سکتے۔ یہ فرق صرف اسی زمانہ میں واضح نہیں تھا جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ملک کے لوگوں میں رہتے سہتے تھے۔ بلکہ آج بھی حدیث کی کتابوں میں آپ کے سینکڑوں اقوال اور خطبے موجود ہیں۔ اُن کی زبان اور اسلوب قرآن کی زبان اور اسلوب سے اس قدر مختلف ہیں کہ عربی زبان و ادب کا کوئی رمز آشنا نقاد یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ یہ دونوں ایک ہی شخص کے کلام ہو سکتے ہیں۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا	کیا یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے یہ کتاب خود گھڑ لی ہے ؟
بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ	کہو، "اچھا یہ بات ہے تو اس جیسی گھڑی ہوئی دس
وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ	سورتیں تم بنا لاؤ اور اللہ کے سوا اور جو جو تمہارے
اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِلَّمْ	معبود، ہیں اُن کو مدد کے لیے بلا سکتے ہو تو بلا لو اگر تم
يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ	(انہیں معبود سمجھنے میں،) سچے ہو۔ اب اگر وہ (تمہارے معبود،)
اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا	تمہاری مدد کو نہیں پہنچتے تو جان لو کہ یہ اللہ کے علم سے نازل
هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝	ہوئی ہے اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں ہے۔
(ہود، ۱۳-۱۴)	پھر کیا تم (اس امرِ حقیقی کے آگے، سرِ تسلیم خم کرتے ہو"؟

یہاں ایک ہی دلیل سے قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے کا ثبوت بھی دیا گیا ہے اور توحید کا ثبوت بھی۔ استدلال کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ اگر تمہارے نزدیک یہ انسانی کلام ہے تو انسان کو ایسے کلام پر قادر ہونا چاہیے، لہٰذا تمہارا یہ دعویٰ کہ میں نے (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے) اسے خود تصنیف کیا ہے صرف اسی صورت میں صحیح ہو سکتا ہے کہ تم ایسی ایک کتاب تصنیف کر کے دکھاؤ۔ لیکن اگر بار بار چیلنج دینے پر بھی تم سب مل کر اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتے تو میرا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ میں اس کتاب کا مصنف نہیں ہوں بلکہ یہ اللہ کے علم سے نازل ہوئی ہے۔

۲۔ پھر جب کہ اس کتاب میں تمہارے معبودوں کی بھی کھلم کھلا مخالفت کی گئی ہے اور صاف صاف کہا گیا ہے کہ ان کی عبادت چھوڑ دو کیونکہ اُلوہیت میں اُن کا کوئی حصہ نہیں ہے، تو ضروری ہے کہ تمہارے معبودوں کو بھی (اگر فی الواقع ان میں کوئی طاقت ہے) میرے دعوے کو جھوٹا ثابت کرنے اور اس کتاب کی نظیر پیش کرنے میں تمہاری مدد کرنی چاہیے۔ لیکن اگر وہ اس فیصلے کی گھڑی میں بھی تمہاری مدد نہیں کرتے اور تمہارے اندر ایسی کوئی طاقت نہیں پھونکتے کہ تم اس کتاب کی نظیر تیار کر سکو، تو اس سے صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ تم نے خواہ مخواہ ان کو معبود بنا رکھا ہے، ورنہ درحقیقت ان کے اندر کوئی قدرت اور کوئی شائبۂ اُلوہیت نہیں ہے جس کی بنا پر وہ معبود ہونے کے مستحق ہوں۔

اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰٮهُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا	کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے اِسے خود تصنیف
بِسُوۡرَةٍ مِّثۡلِهٖ وَادۡعُوۡا مَنِ	کر لیا ہے؟ کہو، "اگر تم اپنے الزام میں سچے ہو تو ایک
اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ	ہی سُورۃ اِس جیسی تصنیف کر لاؤ اور ایک خدا کو چھوڑ
كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ (یونس - ۳۸)	کر جس جس کو بُلا سکتے ہو مدد کے لیے بُلا لو۔"

عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ چیلنج محض قرآن کی فصاحت و بلاغت اور اس کی ادبی خوبیوں کے لحاظ سے تھا۔ اعجازِ قرآن پر جس انداز سے بحثیں کی گئی ہیں اس سے یہ غلط فہمی پیدا ہونی کچھ بعید بھی نہیں ہے۔ لیکن قرآن کا مقام اس سے بلند تر ہے کہ وہ اپنی یکتائی و بے نظیری کے دعوے کی بنیاد محض اپنے لفظی محاسن پر رکھے۔ بلاشبہ قرآن اپنی زبان کے لحاظ سے بھی لاجواب ہے، مگر وہ اصل چیز جس کی بنا پر یہ کہا گیا ہے کہ انسانی دماغ ایسی کتاب تصنیف نہیں کر سکتا، اس کے مضامین اور اس کی تعلیمات ہیں۔ اس میں اعجاز کے جو جو پہلو ہیں اور جن وجوہ سے ان کا من جانب اللہ ہونا یقینی ہے اور انسان کا ایسی تصنیف پر قادر ہونا غیر ممکن ہے ان کو خود

قرآن میں مختلف مواقع پر بیان کر دیا گیا ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا	کیا یہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے یہ قرآن خود گھڑ لیا ہے؟
يُؤْمِنُوْنَ ۚ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ	اصل بات یہ ہے کہ یہ ایمان نہیں لانا چاہتے۔ اگر یہ
مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ۚ	اپنے اِس قول میں سچے ہیں تو اِس شان کا ایک کلام
(الطور ۳۳ تا ۳۴)	بنا لائیں۔

دوسرے الفاظ میں اِس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ قریش کے جو لوگ قرآن کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا تصنیف کردہ کلام کہتے ہیں خود اُن کا دل یہ جانتا ہے کہ یہ آپ کا کلام نہیں ہو سکتا اور دوسرے وہ لوگ بھی جو اہل زبان ہیں نہ صرف یہ کہ اسے سُن کر صاف محسوس کر لیتے ہیں کہ یہ انسانی کلام سے بہت اعلیٰ و ارفع ہے بلکہ اُن میں سے جو شخص بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے واقف ہے وہ کبھی یہ گمان نہیں کر سکتا کہ واقعی یہ آپ ہی کا کلام ہے۔ پس صاف اور سیدھی بات یہ ہے کہ قرآن کو آپ کی تصنیف قرار دینے والے دراصل ایمان نہیں لانا چاہتے اس لیے وہ طرح طرح کے جھوٹے بہانے گھڑ رہے ہیں جن میں سے ایک بہانہ یہ بھی ہے۔

اور بات صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں ہے، بلکہ درحقیقت یہ سرے سے انسانی کلام ہی نہیں ہے اور یہ بات انسان کی قدرت سے باہر ہے کہ ایسا کلام تصنیف کر سکے۔ اگر تم اِسے انسانی کلام کہتے ہو تو اس پائے کا کوئی کلام لا کر دکھاؤ جسے کسی انسان نے تصنیف کیا ہو۔ یہ چیلنج نہ صرف قریش کو، بلکہ تمام دنیا کے مُنکرین کو سب سے پہلے اِس آیت میں دیا گیا ہے۔ اس کے بعد تین مرتبہ مکۂ معظمہ میں اور پھر آخری بار مدینۂ منورہ میں اسے دہرایا گیا (ملاحظہ ہو سورۂ یونس، آیت ۳۸۔ سورۂ ہود، ۱۳۔ سورۂ بنی اسرائیل، ۸۸۔ سورۃ البقرہ، ۲۳)۔ مگر کوئی اس کا جواب دینے کی نہ اُس وقت ہمت کر سکا نہ اُس کے بعد آج تک کسی کی یہ جرأت ہوئی کہ قرآن کے مقابلہ میں کسی انسانی تصنیف کو لے آئے۔

بعض لوگ اس چیلنج کی حقیقی نوعیت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے یہ کہتے ہیں کہ ایک قرآن ہی کیا، کسی شخص کے طرز میں بھی دوسرا کوئی شخص نثر یا نظم لکھنے پر قادر نہیں ہوتا۔ ہومر، رومی، شیکسپیر، گوئٹے، غالب، ٹیگور اور اقبال، سب ہی اس لحاظ سے بے مثل ہیں کہ ان کی نقل اُتار کر انہی جیسا کلام بنا لانا کسی کے بس میں نہیں ہے۔ قرآن کے چیلنج کا یہ جواب دینے والے دراصل اس غلط فہمی میں ہیں کہ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ کا مطلب قرآن کے طرزِ بیان کے مطابق اس جیسی کوئی کتاب لکھ دینا ہے۔ حالانکہ اس سے مراد طرز میں مماثلت نہیں ہے،

بلکہ مراد یہ ہے کہ اس پائے اور اس مرتبے کی کوئی کتاب لے آؤ جو صرف عربی ہی میں نہیں، دنیا کی کسی زبان میں اُن خصوصیات کے لحاظ سے قرآن کی مدمقابل قرار پا سکے جن کی بنا پر قرآن ایک معجزہ ہے۔ مختصراً چند بڑی بڑی خصوصیات ملاحظہ ہوں جن کی بنا پر قرآن پہلے بھی معجزہ تھا اور آج بھی معجزہ ہے۔

۱۔ جس زبان میں قرآن مجید نازل ہوا ہے اُس کے ادب کا وہ بلند ترین اور مکمل ترین نمونہ ہے۔ پوری کتاب میں ایک لفظ اور ایک جملہ بھی معیار سے گرا ہوا نہیں ہے۔ جس مضمون کو بھی ادا کیا گیا ہے موزوں ترین الفاظ اور مناسب ترین اندازِ بیان میں ادا کیا گیا ہے۔ ایک ہی مضمون بار بار ادا ہوا ہے اور ہر مرتبہ پیرایۂ بیان نیا ہے جس سے تکرار کی بدنمائی کہیں پیدا نہیں ہوتی۔ اوّل سے لے کر آخر تک ساری کتاب میں الفاظ کی نشست ایسی ہے جیسے نگینے تراش تراش کر جوڑے گئے ہوں۔ کلام اتنا مؤثر ہے کہ کوئی زبان دان آدمی اسے سُن کر سر دُھنے بغیر نہیں رہ سکتا، حتّٰی کہ منکر اور مخالف کی رُوح بھی وجد کرنے لگتی ہے۔ چودہ سو برس گزرنے کے بعد بھی آج تک یہ کتاب عربی زبان کے ادب کا سب سے اعلیٰ نمونہ ہے جس کے برابر تو درکنار، جس کے قریب بھی اِس زبان کی کوئی کتاب اپنی ادبی قدر و قیمت میں پہنچتی۔ یہی نہیں، بلکہ یہ کتاب عربی زبان کو اس طرح پکڑ کر بیٹھ گئی ہے کہ چودہ صدیاں گزر جانے پر بھی اِس زبان کا معیارِ فصاحت وہی ہے جو اس کتاب نے قائم کر دیا تھا، حالانکہ اِتنی طویل مدت میں زبانیں بدل کر کچھ سے کچھ ہو جاتی ہیں۔ دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں ہے جو اتنی صدیوں تک اِملا، انشا، محاورے، قواعدِ زبان اور استعمالِ الفاظ میں ایک ہی شان پر باقی رہ گئی ہو۔ لیکن یہ صرف قرآن کی طاقت ہے جس نے عربی زبان کو اپنے مقام سے ہلنے نہ دیا۔ اُس کا ایک لفظ بھی آج تک متروک نہیں ہوا ہے۔ اُس کا ہر محاورہ آج تک عربی ادب میں مستعمل ہے۔ اُس کا ادب آج بھی عربی کا معیاری ادب ہے، اور تقریر و تحریر میں آج بھی فصیح زبان وہی مانی جاتی ہے جو چودہ سو برس پہلے قرآن میں استعمال ہوئی تھی۔ کیا دنیا کی کسی زبان میں کوئی انسانی تصنیف اِس شان کی ہے؟

۲۔ یہ دنیا کی واحد کتاب ہے جس نے نوعِ انسانی کے افکار، اخلاق، تہذیب اور طرزِ زندگی پر اتنی وسعت، اتنی گہرائی اور اتنی ہمہ گیری کے ساتھ اثر ڈالا ہے کہ دنیا میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ پہلے اس کی تاثیر نے ایک قوم کو بدلا اور پھر اُس قوم نے اُٹھ کر دنیا کے ایک بہت بڑے حصے کو بدل ڈالا۔ کوئی دوسری کتاب ایسی نہیں ہے جو اس قدر انقلاب انگیز ثابت ہوئی ہو۔ یہ کتاب صرف کاغذ کے صفحات پر لکھی ہوئی نہیں رہ گئی ہے بلکہ عمل کی دنیا میں اس کے ایک ایک لفظ نے خیالات کی تشکیل اور ایک مستقل تہذیب کی تعمیر کی ہے۔ چودہ سو برس سے اس کے

اِن اثرات کا سلسلہ جاری ہے، اور روز بروز اس کے یہ اثرات پھیلتے چلے جا رہے ہیں۔

۳۔ جس موضوع سے یہ کتاب بحث کرتی ہے وہ ایک وسیع ترین موضوع ہے جس کا دائرہ ازل سے ابد تک پوری کائنات پر حاوی ہے۔ وہ کائنات کی حقیقت اور اس کے آغاز و انجام اور اس کے نظم و آئین پر کلام کرتی ہے۔ وہ بتاتی ہے کہ اِس کائنات کا خالق اور ناظم و مدبّر کون ہے، کیا اُس کی صفات ہیں، کیا اس کے اختیارات ہیں، اور وہ حقیقتِ نفسُ الامری کیا ہے جس پر اُس نے یہ پورا نظام قائم کیا ہے۔ وہ اس جہان میں انسان کی حیثیت اور اس کا مقام ٹھیک ٹھیک مشخّص کر کے بتاتی ہے کہ یہ اُس کا فطری مقام ہے اور یہ اس کی پیدائشی حیثیت ہے جسے بدل دینے پر وہ قادر نہیں ہے۔ وہ بتاتی ہے کہ اِس مقام اور اِس حیثیت کے لحاظ سے انسان کے لیے فکر و عمل کا صحیح راستہ کیا ہے جو حقیقت سے پوری مطابقت رکھتا ہے اور غلط راستے کونسے ہیں جو حقیقت سے متصادم ہوتے ہیں۔ صحیح راستے کے صحیح ہونے اور غلط راستوں کے غلط ہونے پر وہ زمین و آسمان کی ایک ایک چیز سے، نظامِ کائنات کے ایک ایک گوشے سے، انسان کے اپنے نفس اور اس کے وجود سے اور انسان کی اپنی پوری تاریخ سے بے شمار دلائل پیش کرتی ہے۔ اِس کے ساتھ وہ یہ بھی بتاتی ہے کہ انسان غلط راستوں پر کیسے اور کن اسباب سے پڑتا رہا ہے، اور صحیح راستہ، جو ہمیشہ سے ایک ہی تھا اور ایک ہی رہے گا، کس ذریعہ سے اس کو معلوم ہو سکتا ہے اور کس طرح ہر زمانے میں وہ اس کو بتایا جاتا رہا ہے۔ وہ صحیح راستے کی صرف نشان دہی کر کے نہیں رہ جاتی بلکہ اُس راستے پر چلنے کے لیے ایک پورے نظامِ زندگی کا نقشہ پیش کرتی ہے جس میں عقائد، اخلاق، تزکیۂ نفس، عبادات، معاشرت، تہذیب، تمدن، معیشت، سیاست، عدالت، قانون، غرض حیاتِ انسانی کے ہر پہلو سے متعلق ایک نہایت مربوط ضابطہ بیان کر دیا گیا ہے۔ مزید برآں وہ پوری تفصیل کے ساتھ بتاتی ہے کہ اِس صحیح راستے کی پیروی کرنے اور اُن غلط راستوں پر چلنے کے کیا نتائج اِس دنیا میں ہیں اور کیا نتائج دنیا کا موجودہ نظام ختم ہونے کے بعد ایک دوسرے عالم میں رونما ہونے والے ہیں۔ وہ اس دُنیا کے ختم ہونے اور دوسرا عالم برپا ہونے کی نہایت مفصل کیفیت بیان کرتی ہے، اِس تغیّر کے تمام مراحل ایک ایک کر کے بتاتی ہے، دوسرے عالم کا پورا نقشہ نگاہوں کے سامنے کھینچ دیتی ہے، اور پھر بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کرتی ہے کہ وہاں انسان کیسے ایک دوسری زندگی پائے گا، کس طرح اس کی دنیوی زندگی کے اعمال کا محاسبہ ہوگا، کن اُمور کی اُس سے باز پُرس ہوگی، کیسی ناقابلِ انکار صورت میں اُس کا پورا نامۂ اعمال اُس کے سامنے رکھ دیا جائے گا، کیسی زبردست شہادتیں اُس کے ثبوت میں پیش کی جائیں گی، جزا اور سزا

پانے والے کیوں جزا اور سزا پائیں گے، جزا پانے والوں کو کیسے انعامات ملیں گے اور سزا پانے والے کس کس شکل میں اپنے اعمال کے نتائج بھگتیں گے۔ اس وسیع مضمون پر جو کلام اس کتاب میں کیا گیا ہے وہ اس حیثیت سے نہیں ہے کہ اس کا مصنف کچھ صغریٰ کبریٰ جوڑ کر چند قیاسات کی ایک عمارت تعمیر کر رہا ہے، بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ اس کا مصنف حقیقت کا براہِ راست علم رکھتا ہے، اس کی نگاہ ازل سے ابد تک سب کچھ دیکھ رہی ہے، تمام حقائق اس پر عیاں ہیں، کائنات پوری کی پوری اس کے سامنے ایک کھلی کتاب کی طرح ہے، نوعِ انسانی کے آغاز سے اس کے خاتمے تک ہی نہیں بلکہ خاتمے کے بعد اس کی دوسری زندگی تک بھی وہ اس کو بیک نظر دیکھ رہا ہے، اور قیاس و گمان کی بنا پر نہیں، بلکہ علم کی بنیاد پر انسان کی رہنمائی کر رہا ہے۔ جن حقائق کو علم کی حیثیت سے وہ پیش کرتا ہے ان میں سے کوئی ایک بھی آج تک غلط ثابت نہیں کیا جا سکا ہے۔ جو تصورِ کائنات و انسان وہ پیش کرتا ہے وہ تمام مظاہر اور واقعات کی مکمل توجیہ کرتا ہے اور ہر شعبۂ علم میں تحقیق کی بنیاد بن سکتا ہے۔ فلسفہ و سائنس اور علومِ عمران کے تمام آخری مسائل کے جوابات اس کے کلام میں موجود ہیں اور ان سب کے درمیان ایسا منطقی ربط ہے کہ ان پر ایک مکمل، مربوط اور جامع نظامِ فکر قائم ہوتا ہے۔ پھر عملی حیثیت سے جو رہنمائی اس نے زندگی کے ہر پہلو کے متعلق انسان کو دی ہے وہ صرف انتہائی معقول اور انتہائی پاکیزہ ہی نہیں ہے بلکہ چودہ سو برس سے روئے زمین کے مختلف گوشوں میں بے شمار انسان بالفعل اس کی پیروی کر رہے ہیں اور تجربے نے اس کو بہترین ثابت کیا ہے۔ کیا اس شان کی کوئی انسانی تصنیف دنیا میں موجود ہے یا کبھی موجود رہی ہے جسے اس کتاب کے مقابلے میں لایا جا سکتا ہو؟

۴۔ یہ کتاب پوری کی پوری بیک وقت لکھ کر دنیا کے سامنے پیش نہیں کر دی گئی تھی بلکہ چند ابتدائی ہدایات کے ساتھ ایک تحریکِ اصلاح کا آغاز کیا گیا تھا اور اس کے بعد ۲۳ سال تک وہ تحریک جن جن مرحلوں سے گزرتی رہی ان کے حالات اور ان کی ضروریات کے مطابق اس کے اجزا اس تحریک کے رہنما کی زبان سے کبھی طویل خطبوں اور کبھی مختصر جملوں کی شکل میں ادا ہوتے رہے۔ پھر اس مشن کی تکمیل پر مختلف اوقات میں صادر ہونے والے یہ اجزا اس مکمل کتاب کی صورت میں مرتب کر کے دنیا کے سامنے رکھ دیے گئے جسے "قرآن" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ تحریک کے رہنما کا بیان ہے کہ یہ خطبے اور جملے اس کے طبع زاد نہیں ہیں بلکہ خداوند عالم کی طرف سے اس پر نازل ہوئے ہیں۔ اگر کوئی شخص انہیں خود اس رہنما

کے طبعزاد قرار دیتا ہے تو وہ دنیا کی تاریخ سے کوئی نظیر ایسی پیش کرے کہ کسی انسان نے سالہا سال تک مسلسل ایک زبردست اجتماعی تحریک کی بطور خود رہنمائی کرتے ہوئے کبھی ایک واعظ اور معلمِ اخلاق کی حیثیت سے، کبھی ایک مظلوم جماعت کے سربراہ کی حیثیت سے، کبھی ایک مملکت کے فرمانروا کی حیثیت سے، کبھی ایک برسرِجنگ فوج کے قائد کی حیثیت سے، کبھی ایک فاتح کی حیثیت سے، کبھی ایک شارع اور مُقنّن کی حیثیت سے، کبھی ایک قاضی اور جج کی حیثیت سے، غرض بکثرت مختلف حالات اور اوقات میں بہت سی مختلف حیثیتوں سے جو مختلف تقریریں کی ہوں یا باتیں کہی ہوں وہ جمع ہو کر ایک مکمل، مربوط اور جامع نظامِ فکر و عمل بنا دیں، ان میں کہیں کوئی تناقض اور تضاد نہ پایا جائے، ان میں ابتدا سے انتہا تک ایک ہی مرکزی تخیل اور سلسلۂ فکر کارفرما نظر آئے، اس نے اوّل روز سے اپنی دعوت کی جو بنیاد بیان کی ہو آخری دن تک اُسی بنیاد پر وہ عقائد و اعمال کا ایک ایسا ہمہ گیر نظام بناتا چلا جائے جس کا ہر جز دوسرے اجزا سے کامل مطابقت رکھتا ہو، اور اُس مجموعہ کو پڑھنے والا کوئی صاحبِ بصیرت آدمی یہ محسوس کیے بغیر نہ رہے کہ تحریک کا آغاز کرتے وقت اُس کے محرک کے سامنے آخری مرحلے تک کا پورا نقشہ موجود تھا اور ایسا کبھی نہیں ہوا کہ بیچ کے کسی مقام پر اُس کے ذہن میں کوئی ایسا خیال آیا ہو جو پہلے اُس پر منکشف نہ تھا یا جسے بعد میں اس کو بدلنا پڑا۔ اس شان کا کوئی انسان اگر کبھی گزرا ہو جس نے اپنے ذہن کی خلّاقی کا یہ کمال دکھایا ہو تو اُس کی نشان دہی کی جائے۔

۵۔ جس رہنما کی زبان پر یہ خطبے اور جملے جاری ہوتے تھے وہ یکایک کسی گوشے سے نکل کر صرف اِن کو سنانے کے لیے نہیں آجاتا تھا اور انھیں سنانے کے بعد کہیں چلا نہیں جاتا تھا۔ وہ اس تحریک کے آغاز سے پہلے بھی انسانی معاشرے میں زندگی بسر کر چکا تھا اور اس کے بعد بھی وہ زندگی کی آخری ساعت تک ہر وقت اُسی معاشرے میں رہتا تھا۔ اس کی گفتگو اور تقریروں کی زبان اور طرزِ بیان سے لوگ بخوبی آشنا تھے۔ احادیث میں اُن کا ایک بڑا حصہ اب بھی محفوظ ہے جسے بعد کے عربی داں لوگ پڑھ کر خود باسانی دیکھ سکتے ہیں کہ اُس رہنما کا اپنا طرزِ کلام کیا تھا۔ اُس کے ہم زبان لوگ اُس وقت بھی صاف محسوس کرتے تھے اور آج بھی عربی زبان کے جاننے والے یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس کتاب کی زبان اور اِس کا اُسلوب اُس رہنما کی زبان اور اُس کے اُسلوب سے بہت مختلف ہے۔ حتیٰ کہ جہاں اس کے کسی خطبے کے بیچ میں اِس کتاب کی کوئی عبارت آجاتی ہے وہاں دونوں کی زبان کا فرق بالکل نمایاں نظر آتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ

کیا دنیا میں کوئی انسان کبھی اس بات پر قادر ہوا ہے یا ہو سکتا ہے کہ سالہا سال تک دو قطعی مختلف اُسلوبوں میں کلام کرنے کا تکلف نباہتا چلا جائے اور کبھی یہ راز فاش نہ ہو سکے کہ یہ دو الگ اُسلوب دراصل ایک ہی شخص کے ہیں؟ عارضی اور وقتی طور پر اس قسم کے تصنّع میں کامیاب ہو جانا تو ممکن ہے۔ لیکن مسلسل ۲۳ سال تک ایسا ہونا کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ ایک شخص جب خدا کی طرف سے آئی ہوئی وحی کے طور پر کلام کرے تو اس کی زبان اور اُسلوب کچھ ہو، اور جب خود اپنی طرف سے گفتگو یا تقریر کرے تو اس کی زبان اور اس کا اُسلوب بالکل ہی کچھ اور ہو۔

۶۔ وہ رہنما اس تحریک کی قیادت کے دوران میں مختلف حالات سے دوچار ہوتا رہا۔ کبھی برسوں وہ اپنے ہم وطنوں اور اپنے قبیلے والوں کی تضحیک، توہین اور سخت ظلم و ستم کا نشانہ بنا رہا۔ کبھی اس کے ساتھیوں پر اس قدر تشدّد کیا گیا کہ وہ ملک چھوڑ کر نکل جانے پر مجبور ہو گئے۔ کبھی دشمنوں نے اس کے قتل کی سازشیں کیں۔ کبھی خود اُسے اپنے وطن سے ہجرت کرنی پڑی۔ کبھی اس کو انتہائی عُسرت اور فاقہ کشی کی زندگی گزارنی پڑی۔ کبھی اُسے پیہم لڑائیوں سے سابقہ پیش آیا جن میں شکست اور فتح، دونوں ہی ہوتی رہیں۔ کبھی وہ دشمنوں پر غالب آیا اور وہی دشمن جنھوں نے اُس پر ظلم توڑے تھے، اس کے سامنے سرنگوں نظر آئے۔ کبھی اسے وہ اقتدار نصیب ہوا جو کم ہی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ ان تمام حالات میں ایک انسان کے جذبات ظاہر ہے کہ یکساں نہیں رہ سکتے۔ اُس رہنما نے ان مختلف مواقع پر خود اپنی ذاتی حیثیت میں جب کبھی کلام کیا، اُس میں اُن جذبات کا اثر نمایاں نظر آتا ہے جو ایسے مواقع پر انسان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں لیکن خدا کی طرف سے آئی ہوئی وحی کے طور پر ان مختلف حالات میں جو کلام اُس کی زبان سے سُنا گیا وہ انسانی جذبات سے بالکل خالی تھا اور آج بھی خالی نظر آتا ہے۔ کسی ایک مقام پر بھی کوئی بڑے سے بڑا نقّاد انگلی رکھ کر قرآن میں یہ نہیں بتا سکتا کہ یہاں انسانی جذبات کارفرما نظر آتے ہیں۔

۷۔ جو وسیع اور جامع علم اس کتاب میں پایا جاتا ہے وہ اُس زمانے کے اہلِ عرب اور اہلِ روم و یونان و ایران تو درکنار، اس بیسویں صدی کے اکابر اہلِ علم میں سے بھی کسی کے پاس نہیں ہے۔ آج حالت یہ ہے کہ فلسفہ و سائنس اور علومِ عمران کی کسی ایک شاخ کے مطالعہ میں اپنی عمر کھپا دینے کے بعد آدمی کو پتہ چلتا ہے کہ اُس شعبۂ علم کے آخری مسائل کیا ہیں، اور پھر جب وہ غائر نگاہ سے قرآن کو دیکھتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب میں اُن مسائل کا ایک واضح جواب موجود ہے۔ یہ معاملہ کسی ایک علم تک محدود نہیں ہے بلکہ اُن تمام علوم

کے باب میں صحیح ہے جو کائنات اور انسان سے کوئی تعلق رکھتے ہیں۔ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ چودہ[۱۴] سو برس پہلے ریگستانِ عرب میں ایک اُمّی کو علم کے ہر گوشے پر اتنی وسیع نظر حاصل تھی اور اُس نے ہر بنیادی مسئلے پر غور و خوض کر کے اس کا ایک صاف اور قطعی جواب سوچ لیا تھا؟

اِعجازِ قرآن کے اگرچہ اور بھی متعدد وجوہ ہیں، لیکن صرف اِن چند وجوہ ہی پر اگر آدمی غور کرے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ قرآن کا معجزہ ہونا جتنا نزولِ قرآن کے زمانے میں واضح تھا اُس سے بدرجہا زیادہ آج واضح ہے اور اِن شاء اللہ قیامت تک یہ واضح تر ہوتا چلا جائے گا۔

(باقی)